ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

صکوک(اسلامی بانڈز)کے متعلق شرعی احکام: تحقیقی مطالعہ

Shariah Rulings on Sukuk (Islamic Bonds): Research Study

Sajjad Hussain
PST Govt Boys P/S Farooq colony cantt LHR,
Dr.Qalb e Bashir khawar Butt
Associate professor, Department of Islamic studies, LLU
Dr.Hafiz Muhammad Hafeez Tahir
Assistant professor, Department of Islamic studies, LLU

Abstract

Dirham's and dinars do not have a personal or Sharia definition, but it is related to alias and reform, because dirham's and dinars are not intended in themselves, but they are a means of mutual transactions, that is why they are considered as value, because taking advantage of the rest of the property Therefore, they do not have this reality. The means that do not have any purpose associated with the substance and form, it achieves the purpose anyway. The objections are not too weighty, therefore the majority of contemporary scholars, fatwa's of most muftis and the resolutions of important jurisprudential bodies are in favor of it.

Keywords: Quran, Sharia Rulings, Islamic Bonds,

صکوک اسلامی قوانین کے تحت سرمایہ حاصل کرنے کا ایک متبادل ذریعہ ہے کہ جس طرح طویل المیاد قرضے کے لیے سود پر مبنی بانڈز یا مختلف سر ٹیفکیٹس جاری کئے جاتے ہیں اسی طرح جائز طریقے سے رواں سرمائے کی ضروریات کا انتظام کرنے کے لیے صکوک جاری کئے جاتے ہیں جو صرف قرضوں کے بجائے جاری کنندہ ادارے کے کاروباری اور مالی اثاثوں میں ملکیت کے دستاویزی ثبوت ہوتے ہیں۔

صکوک کی تعریف

صکوک "صک" کی جمع ہے جس کے معنی ہے "دستاویز۔

قبل ازیں قرض دستاویزات کی خرید و فروخت پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ مروان بن حکم کے دور میں بیت المال سے راشن حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو جو کارڈز جاری کئے جاتے تھے انہیں "صکوک" کہا جاتا تھا لیکن صکوک کا جدید مفہوم اس سے مختلف ہے۔ عصر حاضر کے مسلم معیشت دانوں کی اصطلاح میں صکوک کا مطلب ہے:

وہ تمکات جو یکساں مالیت کے ہوتے ہیں اور کسی اثاثے یا کسی معلوم اثاثے کے حق استعمال یا فراہم کی جانے والی خدمات (Services) یا کسی متعین پراجیکٹ کے اثاثہ جات یا کسی مخصوص کاروبار میں ملکیت کے متناسب غیر منقسم حصے کی نمائندگی کرتے ہیں۔[1]

سادہ الفاظ میں سرمایہ کاری سرٹیفکیٹس ہیں۔ بعض لوگ انہیں اسلامی بانڈز کا نام بھی دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ بانڈز اور صکوک میں یہ فرق ہے کہ بانڈز صرف قرضوں کی دستاویزات ہیں جبکہ صکوک متناسب حصے کی ملکیت کے ثبوت ہوتے ہیں۔ نیز صکوک میں حاملین صکوک کے منافع کا انحصار ان اثاثہ جات سے حاصل ہونے والی آمدن پر ہوتا ہے جن کی صکوک نمائندگی کرتے ہیں لیکن بانڈز میں منافع طے شدہ ہوتا ہے خواہ جاری کنندہ کو نفع ہو یا نقصان۔ اسی طرح شیئرز اور صکوک میں بھی فرق ہے، وہ یہ کہ صکوک مخصوص مدت مثلاً تین یا پانچ سال کے لیے جاری کئے جاتے ہیں اور شیئرز غیر معینہ مدت کے لیے ہوتے ہیں۔

صکوک کی ابتداء وارتقاء:

پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے 1980ء میں اپنی مشہور زمانہ بلاسود بینکاری رپورٹ میں مخصوص مدت کے لیے سرمایہ اکٹھا کرنے کے لیے نفع و نقصان میں شراکت کے اصول کی اساس پر ایسی مالیاتی دستاویزات تیار کرنے کی تجویز پیش کی تھی جو ڈی بنچرز کی جگہ لے سکیں۔ اس رپورٹ میں ان کا نام بھی تجویز کر دیا گیا تھا "حصہ داری کے

---

1 المعايير الشرعية :ص 288،مطبوعه 2007

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

میعادی سرٹیفکیٹ" (Participation Term Certificate) مختصراً پی، ٹی، سی کہا جاتا ہے۔1984ء میں کونسل کی اس تجویز کے مطابق حصہ داری کے میعادی سرٹیفکیٹ متعارف بھی کرائے دیئے گئے۔ اگرچہ بعض وجوہ کے باعث یہ سرٹیفکیٹ زیادہ عرصہ رائج نہ رہ سکے اور ان کی جگہ ٹرم فنانس سرٹیفکیٹ نے لے لی لیکن ہم انہیں صکوک کے اجراء کی اولین کوشش سے تعبیر کرسکتے ہیں کیونکہ جدید صکوک کا تصور انہی بنیادوں سے ماخوذ ہے جن پر پی، ٹی، سی مبنی تھے۔

تاہم باقاعدہ صکوک نام کی مالیاتی دستاویز کا اجراء 2002ء میں ملائشیاء سے ہوا تھا بعد ازاں 2003ء میں اسلامی ترقیاتی بینک جدہ صکوک جاری کئے۔ اس کے بعد تو ان کے اجراء کے عمل میں کافی سرگرمی دیکھی گئی تا آنکہ 2008ء میں مولانا تقی عثمانی نے (AAOFI) کی مجلس شرعی کے صدر کی حیثیت سے مشرق وسطیٰ اور ملائشیا میں اربوں روپے کے جاری کئے گئے صکوک کی اکثریت کو غیر شرعی قرار دیا تو ان کے اجراء کے عمل میں قدرے کمی آئی تاہم یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ تاہنوز جاری ہے۔2009ء میں پاکستان میں تیس ارب سے زائد مالیت کے صکوک جاری کئے گئے ہیں۔ اسی طرح انڈونیشیا کی حکومت نے بھی اپنے بجٹ خسارے کو پورا کرنے اور فنڈ کے حصول کی خاطر صکوک کا اجراء کیا ہے۔ کہتے ہیں اب تک دنیا کا سب سے بڑا صکوک متحدہ عرب امارات کی پراپرٹی ڈیویلپر نخیل نے جاری کیا ہے جس کی مالیت ساڑھے تین ارب ڈالر ہے۔

عالمی مالیاتی (IMF) کی ایک رپورٹ کے مطابق اسلامی مالیاتی مصنوعات میں سب سے زیادہ مقبولیت صکوک کو حاصل ہے۔ صکوک کی مقبولیت کو مد نظر رکھتے ہوئے متعدد غیر مسلم ممالک بھی اس کے اجراء کے پروگرام پر غور کر رہے ہیں بلکہ گزشتہ سال کے آواخر میں امریکی کارپوریشن جنرل الیکٹرک صکوک جاری کرنے والی پہلی غیر مسلم کمپنی بن چکی ہے اور کمپنی کا کہنا ہے کہ وہ مشرق وسطی اور ایشیا میں متمول افراد کو متوجہ کرنے کے لیے مزید صکوک جاری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

صکوک کی قسمیں

صکوک کی کئی اقسام ہیں سب سے اہم یہ ہیں۔

1۔ مشارکہ صکوک:

ان سے مراد وہ تمسکات ہیں جو ان منصوبوں یا سرگرمیوں کی نمائندگی کرتے ہیں جن کی شراکت کی بنیاد پر چلایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک کمپنی کے پاس بہت بڑا منصوبہ ہے جس کی تکمیل کے لیے خطیر رقم درکار ہے، فرض کیجئے دس ارب روپے کی ضرورت ہے جو تنہا کمپنی یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کرسکتے، اب کمپنی دس ارب کے سو سو روپے کی مالیت کے سرٹیفکیٹ بنا کر جاری کر دیتی ہے جنہیں مشارکہ صکوک کا نام دیا جاتا ہے اور جو لوگ یہ سرٹیفکیٹ خریدتے ہیں وہ اس منصوبے میں حصے دار کہلاتے ہیں۔ گویا مذکورہ منصوبہ اب تنہا کمپنی کی ملکیت نہیں رہا بلکہ متعدد لوگوں کی ملکیت بن گیا ہے اور اس سے جو منافع یا آمدن ہو گی وہ طے شدہ فارمولے کے مطابق سب صکوک ہولڈر میں ان کے حصص کے حساب سے تقسیم ہو

گی اور اگر نقصان ہوا تو اس میں بھی سب اپنے اپنے حصے کے مطابق شریک ہوں گے۔ جب صکوک کی مدت پوری ہو گی تو کمپنی ان کو خرید کر دوبارہ تنہا مالک بن جائے گی۔

2۔ مضاربہ صکوک:

یہ وہ تمسکات ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے حامل نے اتنی رقم مضاربہ کی بنیاد پر دی ہوئی ہے۔ یہ صکوک یا تو وہ کمپنیاں جاری کرتی ہیں جو مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، یا پھر ان کا اجراء ان مالیاتی اداروں کی جانب سے ہوتا ہے جنہوں نے مضاربہ پر رقم دے رکھی ہو۔ مثلاً ایک بینک نے پچاس ملین روپے کسی پارٹی کو تین سال کے لیے مضاربہ پر دیئے ہوئے ہیں اور اب وہ چاہتا ہے کہ یہ رقم کے مساوی مالیت کے سرٹیفکیٹ یعنی مضاربہ صکوک بنا کر فروخت کر دے گا۔ جو لوگ یہ سرٹیفکیٹ خریدیں گے وہ اس مضاربہ سے حاصل ہونے والے منافع میں حصہ دار ہوں گے۔ جب مدت ختم ہو گی تو بینک وہ صکوک دوبارہ خرید لے گا۔

3۔ اجارہ صکوک:

یہ صکوک کی اہم ترین قسم ہے، اس کا اطلاق ان تمسکات پر ہوتا ہے جو کرایہ پر دیئے گئے اثاثوں اور ان کی منفعت (Usufruct) میں متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان اثاثوں سے جو کرایہ حاصل ہوتا ہے صکوک ہولڈرز اپنے حصص کے تناسب سے اس میں شریک ہوتے ہیں۔ مشارکہ اور اجارہ صکوک میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں شراکت سے حاصل منافع تقسیم ہوتا ہے اور اخیر الذکر میں اثاثہ سے ملنے والا کرایہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

اجارہ صکوک:

اجارہ صکوک کبھی تو اثاثے یا منفعت کا مالک براہ راست خود صکوک جاری کرتا ہے اور کبھی مالیاتی ایجنٹ کے ذریعے یہ کام کرتا ہے۔ یہ مالیاتی ایجنٹ ایک ادارہ ہوتا ہے جو خاص اسی مقصد کے لیے ہی قائم کیا جاتا ہے اس لیے اسے سپیشل پرپز وہیکل (SPV) کا نام دیا جاتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

مثلاً حکومت کو سرمائے کی ضرورت ہے اور اس کے پاس ایک بلڈنگ ہے جس کی قیمت ایک سو ملین ہے۔ چنانچہ ایس، پی، وی حکومت کے ایجنٹ کی حیثیت سے اس بلڈنگ کو پانچ سال کے لیے کرایہ پر دے کر اس کی کل قیمت سو ملین کے سو سو روپے کے ایک لاکھ سرٹیفکیٹ بنا کر جنہیں اجارہ صکوک کہا جاتا ہے سرمایہ کاری کرنے والے لوگوں میں فروخت کر دیتی ہے یوں حکومت کو پانچ سال کے لیے ایک سو ملین کی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور اس بلڈنگ سے حاصل ہونے والا کرایہ صکوک ہولڈرز کے حصص کے تناسب سے ان میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب اجارہ کی پانچ سالہ مدت پوری ہو جائے گی تو ان صکوک کی ادائیگی کے ذریعے ملکیت دوبارہ حکومت کو مل جائے گی۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک بینک نے پچاس ملین کے اثاثے مقررہ مدت کے لیے کرایہ پر دے رکھے ہیں اور اب وہ چاہتا ہے کہ ان اثاثوں کی خریداری پر خرچ ہونے والی رقم اسے حاصل ہو جائے تو وہ ان اثاثوں کی بنیاد پر مخصوص مدت کے لیے اتنی مالیت کے صکوک جاری کر کے مارکیٹ میں فروخت کر دیتا ہے، یوں بینک کو پچاس ملین کی رقم واپس مل جاتی ہے۔ چونکہ صکوک خریدنے کی وجہ سے صکوک ہولڈرز اپنے حصص کے تناسب سے ان اثاثوں کے مالک بن جاتے ہیں اس لیے ان اثاثوں سے جو کرایہ حاصل ہو گا وہ اس میں اپنی ملکیت کے بقدر شریک ہوں گے۔ جب اثاثوں کے اجارہ کی مدت مکمل ہو جائے گی بینک ان صکوک کی ادائیگی کر کے دوبارہ مکمل مالک بن جائے گا۔

چونکہ یہ صکوک حصہ داری کے سرٹیفکیٹ ہوتے ہیں اور ان کی بیع در حقیقت اس حصے کی بیع ہے جو ان کی پشت پر ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی صکوک ہولڈر ان کی مقررہ مدت سے قبل کسی تیسرے فریق کے ہاتھ فروخت کرنا چاہے تو وہ خرید و فروخت بھی کر سکتا ہے۔

صکوک کے احکام:

صکوک کے اجراء میں کن اصولوں کی پابندی لازم ہے یہ سمجھنے کے لیے ان کی فقہی حیثیت کا تعین ضروری ہے تاکہ اس کو مد نظر رکھ کر ہی احکام ذکر کیے جائیں۔ ہم نے اوپر جو تفصیل بیان کی ہیں وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ صکوک ہولڈرز کا باہمی تعلق شراکت داری پر مبنی ہوتا ہے، اسلیے کہ جب تک شراکت داری کا تعلق قائم نہیں ہو گا نہ تو ان صکوک پر منافع لینا جائز ہو گا اور نہ ہی ان کے اوپر لکھی ہوئی قیمت (Face Value) سے کم یا زائد پر ان کی خرید و فروخت صحیح ہو گی کیونکہ اس صورت میں یہ قرض کی دستاویز ہوں گے جن پر کسی قسم کا منافع یا ان کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ سود ہے جس سے ان کے اجراء کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ صکوک کے جاری کنندہ اور حاملین کا باہمی تعلق محدود مدت کی شراکت داری کے تصور پر استوار ہوتا ہے تو پھر ان کو شراکت داری احکام کے تناظر میں ہی دیکھنا چاہیے۔ اسلامی فقہ میں شراکت کے احکام بڑی وضاحت سے بیان ہوئے ہیں یہاں ان کی تفصیل بے محل ہو گی تاہم درج ذیل امور ضرور نگاہ میں رہنے چاہئیں۔

- ☆ شراکت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ نفع و نقصان میں تمام فریق شریک ہوں گے، چنانچہ ایسی شراکت جائز نہیں جس میں کوئی فریق منافع میں تو حصہ دار ہو مگر اپنے حصے کے نقصان کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔ چونکہ صکوک ہولڈرز ان اثاثوں میں حصہ دار ہوتے ہیں اس لیے انہیں اپنے حصص کے تناسب سے نقصان بھی برداشت کرنا چاہیے۔
- ☆ ایسی شراکت جائز نہیں جس میں کسی فریق پر یہ لازم ہو کہ وہ دوسرے فریق کو اصل زر کی نسبت سے طے شدہ منافع ادا کرے گا۔ مثلاً یہ کہا گیا ہو کہ ان صکوک پر بہر صورت بارہ فیصد منافع دیا جائے گا، یہ سود کی تعریف میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گا۔ البتہ شراکت کے آغاز میں یہ طے کیا جانا ضروری ہے کہ حاصل منافع شرکاء کے مابین کس نسبت سے تقسیم ہو گا۔ لہذا ایسے صکوک جائز نہیں جن میں حاملین صکوک کی طرف سے لگائے گئے سرمائے (Invested Money) کی فیصد نسبت کے حساب سے منافع طے کیا یا اس کا تاثر دیا گیا ہو۔
- ☆ شراکت کے اختتام پر تصفیہ ضروری ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شراکت سے متعلق تمام اثاثہ جات کو بیچ کر نقد میں تبدیل کر لیا جائے اور ان سے حاصل ہونے والی رقم سے تصفیہ کے اخراجات اور واجب الادا قرض منہا کر کے باقی رقم تمام حصہ داروں میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دی جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شراکت سے متعلق اثاثہ جات سب حصہ داروں کی مشترکہ ملکیت ہوتے ہیں لہذا شراکت کی مدت ختم ہونے پر تمام شرکاء میں ان کے حصص کے بقدر تقسیم ضروری ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کی شرعی رہنمائی کے لیے ترتیب دی گئی دستاویز "المعايير الشرعية" میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

جب شراکت کی مدت ختم ہونے پر تصفیہ ہو تو وہ اس طرح مکمل ہو گا کہ تمام اثاثہ جات کو بازار میں بیچا جائے اور اس سے جو کچھ حاصل ہو وہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ پہلے تصفیہ کے اخراجات نکالے جائیں، پھر شرکت کے ٹوٹل اثاثوں میں سے مالی ادائیگیاں کی جائیں اور پھر بقیہ اثاثوں میں سے ہر شریک کو اس کے اصل سرمایہ کی مناسبت سے دیا جائے اور اگر اثاثے اصل سرمائے کی واپسی کے لیے ناکافی ہوں تو ہر ایک کو اس کے سرمائے کی نسبت سے حصہ رسدی دے دیا جائے۔[1]

اس سے پہلے یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ شراکت کا کوئی فریق یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ وہ شراکت کے اثاثہ جات قیمت اسمیہ (Face Value) پر خرید لے گا۔[2]
کیونکہ اس کا مطلب ہو گا کہ ایک شریک کو یہ ضمانت فراہم کر دی گئی ہے کہ اس کا راس المال لازمی واپس کیا جائے گا اور یہ شراکت کے اصولوں کے خلاف ہے۔
اجارہ صکوک بھی چونکہ محدود مدت کی شراکت داری کے تصور پر جاری کیے جاتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ جب صکوک کی مدت پوری ہو تو وہ اثاثہ فروخت کیا جائے اور اس سے وصول ہونے والی رقم حاملین صکوک میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کی جائے۔

زر مستحکم قدر کا حامل ہونا چاہیے

اسلامی نظام معیشت کا مکمل ڈھانچہ عدل پر قائم ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے جو عدل کے منافی ہیں، چونکہ تمام مالی معاملات در حقیقت زر ہی کے گرد گھومتے ہیں اور کسی مالی معاہدے کے وقوع اور وقت ادائیگی کے درمیان زر کی قوت خرید میں غیر معمولی کمی سے صاحب حق کا متاثر ہونا یقینی ہے جو تقاضا عدل کے خلاف ہے اسی بنا پر بعض مسلم مفکرین افراط زر کو بخس، تطفیف اور ملاوٹ میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مناسب حد تک کرنسی کی قدر کو مستحکم رکھے۔
مشہور فقہیہ اور محدث امام بن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
والث-من ہ-و المعیار الذي بہ یعرف تقویم الأموال، فیجب أن یکون محدوداً مضبوطًا لا یر تفع ولا ینخفض، إذ لو کان الثمن یر تفع وینخفض کالسلع لم یکن لنا ثمن نعتبر بہ المبیعات، بل الجمیع سلع، وحاجۃ الناس إلی ثمن یعتبرون بہ الم-بیعات حاجۃ ضروریۃ عامۃ، وذلک لا یم-کن إلا بسع-ر تعرف بہ القیمۃ، وذل-ک لا یکون إلا بثمن تقوم بہ الأشیاء، ویس-تمر علی حالۃ واحدۃ، ولا یقوم ھو بغیرہ، إذ یصیر سلعۃ یر تفع وینخفض، فتفسد معاملات الناس، ویقع الخلف، ویشتد الضرر۔[3]
زر ہی وہ معیار ہے جس کے ذریعے اموال کی قیمتوں کی پہچان ہوتی ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ یہ متعین اور کنٹرول میں ہو، اس کی مالیت میں اتار چڑھاؤ نہ ہو کیونکہ اگر سامان تجارت کی طرح زر میں اتار چڑھاؤ ہو تو ہمارے پاس اشیاء کی قیمت لگانے کے لیے کوئی ثمن (زر) نہیں رہے گا بلکہ سب سامان ہی ہو گا حالانکہ اشیاء کی قیمت لگانے کے لیے لوگ ثمن کے محتاج ہیں۔ اور یہ ایسے نرخ کے ذریعے ممکن ہے جس سے قیمت کی معرفت حاصل ہو اور تب ہی ہو سکتا ہے جب اشیاء کی قیمت لگانے کے لیے ایک زر ہو اور وہ ایک ہی حالت پر رہے۔ اور اس کی قیمت کا معیار کوئی دوری چیز نہ ہو کیونکہ اس صورت میں وہ خود سامان (Commodity) بن جائے گا جس کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے نتیجتاً لوگوں کے معاملات خراب ہو جائیں گے، اختلاف پیدا ہو گا اور شدید ضرر لاحق ہو گا۔
یعنی کرنسی ایسی ہونی چاہیے جس کی مالیت میں عام اشیاء کی طرح غیر معمولی کمی واقع نہ ہو بلکہ معقول حد تک مستحکم قدر کی حامل ہو تا کہ لوگ ضرر کا شکار نہ ہوں۔

زر کی قدر میں استحکام کیسے لایا جائے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کاغذی کرنسی کی قدر میں مسلسل کمی کا رجحان چلا آرہا ہے اور آج کل تو اس کی قدر بہت تیزی سے گر رہی ہے، اس کے برعکس سونے چاندی کی قوت خرید خاصی مستحکم ہے بالخصوص سونے کی قوت خرید میں کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، اگر کسی بحران یا سونے کے مقابلہ میں اشیاء وخدمات کی قلت

1 المعاییر الشرعیة ص 199
2 المعاییر الشرعیة ص 199
3 الموسوعة الفقهیة الکویتیة 196/41

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

کی بنا پر ایسا ہوا بھی تو کمی کا یہ سلسلہ مستقل جاری نہیں رہا، بلکہ اس کے اسباب دور ہونے کے بعد صورت اس کے برعکس ہوگئی۔ اگر عہد رسالت میں سونے کی قوت خرید کا اس کی موجودہ قوت خرید سے تقابل کیا جائے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آئے گا۔[1] بطور نمونہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ قتل کی دیت سو اونٹ ہے اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو وہ ان کی قیمت ادا کر دے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں آٹھ سو دینار مقرر تھی۔

كَانَتْ قِيمَةُ الدِّيَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَمَانَ مِائَةِ دِينَارٍ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ عہد رسالت میں ایک اونٹ کی قیمت آٹھ دینار تھی۔ جدید تحقیق کے مطابق شرعی دینار کا وزن 4.25 گرام ہے۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک اونٹ کی قیمت 34 گرام سونا بنی، آج بھی اتنے سونے کے عوض ایک اونٹ خریدا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ گراں ہونے پر دیت کی قیم آٹھ سو سے بڑھا کر ہزار دینار کر دی تھی مگر آج کل ایک سو اونٹ خریدنے کے لیے آٹھ سو دینار یعنی 3400 سو گرام سونا کافی ہے۔

2۔ حضرت عروہ بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا يَشْتَرِي بِهِ أُضْحِيَةً، أَوْ شَاةً فَاشْتَرَى شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا تاکہ وہ اس سے ایک قربانی یا ایک بکری خریدے۔ انہوں نے دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا ایک بکری اور ایک دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔

یعنی عہد رسالت میں 4.25 گرام سونے کے عوض ایک بکری خریدی جا سکتی تھی، آج بھی سونے کی قوت خرید یہی ہے۔

ان دو مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت سے لے کر اب تک سونے کی قدر میں غیر معمولی کمی نہیں ہوئی، اگر کسی دور میں ایسا ہوا بھی تو بعد میں معاملہ الٹ ہو گیا۔ البتہ اس عرصہ کے دوران سونے کی نسبت چاندی کی قوت خرید میں کافی کمی آئی ہے۔ عہد نبوی میں تقریباً 10 درہم تقریباً 30 گرام چاندی سے ایک بکری خریدی جا سکتی تھی اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں اونٹوں کی زکوۃ کے ضمن میں یہ بیان ہوا ہے۔

مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةُ الجَذَعَةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ، وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الحِقَّةُ، وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا۔[2]

جس کے اونٹوں کی زکوۃ میں جذعہ (چار سالہ اونٹ) فرض ہوا اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو تو اس سے تین سالہ اونٹ قبول کر لیا جائے گا اور وہ ساتھ دو بکریاں اگر آسانی سے میسر ہوں دے گا یا بیس درہم۔

جدید ماہرین معیشت کے نزدیک:

جبکہ جدید ماہرین معیشت کے نزدیک حکومت کا حقیقی پیداوار کو نظر انداز کر کے نوٹ چھاپنا، اشیاء و خدمت کی طلب و رسد کے درمیان عدم توازن، اسراف و تبذیر، تاجروں میں ناجائز منافع خوری کا رجحان اور اشیاء کی پیداواری لاگت میں اضافہ وہ عوامل ہیں، جو کرنسی کی قدر میں عدم استحکام پیدا کرتے ہیں، ان مسائل کو حل کر کے کرنسی کی قدر میں استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ان حضرات کی رائے میں سونے، چاندی کے سکے شرعی تقاضا نہیں ہے۔

سونے، چاندی کے سکوں کی پابندی:

علاوہ ازیں سونے، چاندی کے سکوں کی پابندی ریاست کے لیے غیر ضروری زحمت کا موجب بھی بن سکتی ہے، ممکن ہے ریاست کے پاس سکے بنانے کے لیے سونے چاندی کے وسیع ذخائر موجود نہ ہوں۔ البتہ جب افراط زر کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر جائے تو اس کا کوئی معقول حل ہونا چاہیے جیسا کہ علماء کی آراء گزر چکی ہیں۔

کرنسی کی تاریخ:

1 اعلام المواقعين، ج2، ص، 156

2 بخاری، محمدبن اسماعيل المتوفى 260ھ ،الجامع الصحيح، كتاب الزكاة باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض وليست عنده

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

سونے، چاندی کے بحیثیت زر استعمال ہونے سے قبل دنیا میں "زر بضاعتی" یا "اجناسی زر" النقود السلع کا نظام رائج تھا۔ اس سسٹم کے تحت ہر خطے کے لوگوں نے اپنے علاقے میں مقبول اور قیمتی شمار ہونے والی اشیاء کو زر کا درجہ دیا۔ بعض علاقوں میں چاول بعض میں چائے زر کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

چنانچہ معروف سعودی عالم جسٹس ڈاکٹر عبد اللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں۔

اس نظام میں یہ طے پایا کہ ایسی اشیاء کو زر بضاعتی قرار دیا جائے جن میں حسابی وحدت، قیمتوں کی یکسانیت، بحیثیت مال جمع کئے جانے کی استعداد اور قوت خرید موجود ہو۔ یہ اشیاء نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھیں مثلاً ساحلی علاقہ جات میں موتیوں کو بطور ثمن (زر) استعمال کیا گیا۔ سرد علاقوں میں پشم کو ثمن ٹھرایا گیا۔ جبکہ معتدل موسم کے حامل ممالک میں آباد لوگوں کی خوشحال زندگی اور آسودہ حالی کی بنا پر خوبصورت اشیاء (مثلاً قیمتی پتھروں کے نگینے، عمدہ لباس، ہاتھی کے دانت، مچھلیاں وغیرہ) کو کرنسی قرار دیا گیا۔ جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں چاول کو بطور کرنسی استعمال کیا گیا جبکہ وسط ایشیاء میں چائے، وسطی افریقہ میں نمک کے ڈلوں اور شمالی یورپ میں پوستین کو کرنسی قرار دیا گیا۔[1]

رومی بادشاہ جولئیس سیزر:

رومی بادشاہ جولئیس سیزر (دور حکومت 60 تا 44 ق م) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی فوج کو تنخواہ نمک کی شکل میں ملتی تھی۔ نمک کو لاطینی میں "سیل" کہتے ہیں اسی سے لفظ Salary نکلا ہے جس کا معنی "تنخواہ" ہوتا ہے۔

چونکہ اشیاء ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اور ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی بھی آسان نہیں ہوتی اس لیے یہ نظام مستقل جاری نہ رہ سکا۔ لوگوں نے اس کی جگہ سونے چاندی کا استعمال شروع کر دیا۔ ابتداء میں سونے چاندی کے وزن کا ہی اعتبار ہوتا تھا۔ سکوں کا رواج بعد میں شروع ہوا۔ سکے کب وجود میں آئے اس کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے البتہ قرآن مجید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں دراہم موجود تھے کیونکہ ان کے بھائیوں نے انہیں دراہم کے عوض بیچا تھا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ۔[2]

انہوں نے اس کو انتہائی کم قیمت جو گنتی کے چند درہم تھے کے عوض فروخت کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دور 1910 تا 1800 ق م ہے۔

کہتے ہیں سونے کا سکہ سب سے پہلے لیڈیا کے بادشاہ کروسس (دور حکومت 560 تا 546 ق م) نے متعارف کرایا۔

عہد نبوی کی کرنسی:

بعثت نبوی کے وقت عرب میں لین دین کا ذریعہ درہم و دینار تھے لیکن گنتی کی بجائے وزن کا اعتبار کیا جاتا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ درہم و دینار عرب کے مقامی سکے نہ تھے بلکہ ہمسایہ اقوام سے یہاں آتے تھے۔ درہم ساسانی سکہ تھا جو عراق کے راستے عرب پہنچتا اور لوگ اس کی بنیاد پر باہم لین دین کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ یہ دراہم چونکہ مختلف وزن کے ہوتے تھے اس لیے جب نصاب زکوۃ کے لیے درہم کا وزن مقرر کرنے کی نوبت آئی تو مسلمانوں نے ان میں سے متوسط کو معیار بنایا چنانچہ اسی کو شرعی درہم سمجھا گیا۔ ایک قول کے مطابق یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں جبکہ دوسرے قول کے مطابق بنو امیہ کے دور میں ہوا۔ جو صورت بھی ہو تاہم آخر کار شرعی درہم پر اجماع ہوا وہ وہی ہے جو عبد الملک بن مروان کے دور میں بنایا گیا۔ لیکن فقہاء اور مؤرخین نے ثابت کیا ہے کہ یہ درہم اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا مختلف شہروں میں اس کے وزن اور معیار میں کافی تبدیلی آتی رہی ہے۔ جدید تحقیق کی روشنی میں اس درہم کا وزن 2.975 گرام چاندی ہے۔

اسی طرح دینار رومیوں کی کرنسی تھی جو براستہ شام یہاں آتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا حتی کہ خلفاء راشدین رضوان اللہ عنہم اجمعین اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی رومی دینار کو ہی کرنسی کی حیثیت حاصل رہی۔ جب مسند خلافت عبد الملک بن مروان کے پاس آئی تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کے دینار کے مطابق ایک دینار جاری کیا جس کو شرعی دینار کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا وزن اس دینار کے برابر تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا تھا۔

1 کاغذی کرنسی کی تاریخ-ارتقاء ۔شرعی حیثیت ص:10

2 یوسف-20

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

یا ایسے شخص کو مفلس اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ اس کو فلوس جیسی معمولی چیز میں ہی تصرف کا حق ہوتا ہے کیونکہ وہ فلوس کے ذریعے معمولی اشیاء کا لین دین ہی کرتے تھے۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں بھی فلوس کا تذکرہ موجود ہے۔

فَأَمَرَهَا أَنْ تَشْتَرِيَ بِهِ فُلُوسًا۔

انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اس کے بدلے "فلوس" خرید لو۔

نوٹ کب ایجاد ہوئے

کہا جاتا ہے اہل چین نے 650ء سے 800ء کے درمیان کاغذ کے ڈرافٹ بنانے شروع کئے تھے انہی ڈرافٹ نے آگے چل کر کرنسی نوٹوں کی اشاعت کا تصور دیا۔ اسی لیے کاغذ کی طرح کرنسی نوٹ بھی اہل چین کی ایجاد شمار ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں سب سے پہلے کرنسی نوٹ 910ء میں چین میں ایجاد ہوئے۔

ابن بطوطہ جو 1324ء سے 1355ء کے درمیان چین کی سیاحت پر گیا تھا چین کے نوٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔[2]

حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا:

اس رائے کے مطابق نوٹوں کے ساتھ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں کیونکہ نوٹ کے ساتھ خریداری کا مطلب حقیقت میں اس سونے چاندی کے ساتھ خریداری ہے جو اس نوٹ کی پشت پر ہے اور شرعی اعتبار سے سونے کی سونے یا چاندی کی سونے کے ساتھ بیع میں دونوں طرف سے موقع پر قبضہ شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ خریدار نے سونے کے بدلے سونا نہیں دیا بلکہ اس کی رسید دی ہے۔ چنانچہ تفسیر اضواء البیان کے مصنف علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

وأنھا سند بفضة وأن المبیع الفضة التی ھی سند بھا ومن قرأ المكتوب علیھا فھم صحة ذلک، وعلیه فلا یجوز بیعھا بذھب ولا فضة ولو یدا بید لعدم المناجزة بسبب غیبة الفضة المدفوع سندھا۔[3]

یہ نوٹ چاندی کی رسید ہیں اور بیچی گئی چیز وہ چاندی ہے جس کی یہ رسید ہیں۔ جو ان پر لکھی عبارت پڑھے گا وہ اس رائے کا درست ہونا سمجھ جائے گا۔ اس رائے کے مطابق نوٹوں کی سونے چاندی کے بدلے بیع چاہے نقد ہو جائز نہیں کیونکہ جس چاندی کی رسید دی جاتی ہے وہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے موقع پر قبضہ کی شرط نہیں پائی جاتی۔

جس طرح اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹوں کے بدلے سونا چاندی خریدنا جائز نہیں اسی طرح نوٹوں کے ساتھ مشارکہ یا بیع سلم درست نہیں کیونکہ اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹ دین (Debt) کی رسید ہے جبکہ شرعی سے شراکت اور سلم میں سرمایہ نقد ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں یہ رائے اختیار کرکے ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سونے کے بدلے سونے کی ادھار اور کمی بیشی کا ساتھ بیع ہوگی جو شرعاً درست نہیں۔

مگر یہ موقف درست نہیں کیونکہ اب نوٹ قرض کی رسید نہیں رہا جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا ہے بلکہ اب یہ خود قانونی زر بن چکا ہے اور ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ حکومت کوئی بھی چیز بطور زر اختیار کر سکتی ہے۔ اب نوٹ پر لکھی اس عبارت

حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا:

کا مطلب صرف یہ ہے کہ حکومت اس کی ظاہری قیمت کی ذمہ دار ہے۔ جسٹس علامہ عمر بن عبد العزیز المترک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

---

1 فتح الباری ،ج5،ص،79

2 الاوراق النقدية في الاقتصاد الاسلامي قيمتها واحكامها:ص 115

3 اضواء البيان في تفسير القرآن بالقرآن ج1 ص 207

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

نوٹ رسید نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر یہ گم یا تلف ہو جائے تو اس کا مالک جاری کنندہ سے مطالبہ نہیں کر سکتا خواہ اس کے پاس ہزار گواہ ہو اور اگر یہ حقیقی رسید ہوتا تو اس کو ضرور یہ اختیار ہوتا کیونکہ قرض مقروض کے ذمے ہوتا ہے رسید تلف ہونے سے ضائع نہیں ہوتا۔[1]

2۔ بعض نامور علماء کے نزدیک نوٹ سامان یعنی جنس (Commodity) کے حکم میں ہیں مشہور مالکی فقیہ علیش مصری کی بھی یہی رائے ہے۔

جسٹس ڈاکٹر عبداللہ بن سلیمان منیع لکھتے ہیں۔

اس نظریہ کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے یہ نوٹ اپنی اس اصل کی طرح ہے جس کے یہ بدل ہیں یعنی سونا اور چاندی کیونکہ ان کا اصل چاندی یا سونا ان کی پشت پر ان کے زر ضمانت کے طور پر موجود ہے اور مقاصد شرعیہ کا تعلق تو اصل اور حقائق سے ہے نہ کہ الفاظ اور ان کی بناوٹ سے۔

اس نقطہ نظر کے مطابق نوٹوں کے باہمی لین دین میں سود کے احکام بھی جاری ہونگے اور جب یہ دو سو درہم چاندی یا بیس دینار سونے کی قیمت کے مساوی ہوں تو سال کے بعد ان پر زکوۃ بھی واجب ہوگی۔اسی طرح ان کے ذریعے مضاربہ بھی درست ہوگا۔

لیکن یہ رائے بھی کمزور ہے کیونکہ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ نوٹ کی پشت پر سونا یا چاندی ہے حالانکہ امر واقع میں ایسا نہیں۔

چنانچہ جسٹس علامہ عبداللہ بن سلیمان منیع اس کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

یہ نظریہ بھی حقیقت واقعہ کے مطابق نہ ہونے کی بنا پر قابل التفات نہیں کیونکہ اس کا دارومدار کرنسی نوٹوں کی اصل پر ہے اور اصل جیسا کہ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ وہ تو کرنسی نوٹوں کی پشت پر ہے نہیں۔ بلکہ اکثر ممالک کے نوٹ محض ساکھ کی بنا پر، زبانی ضمانتوں اور حکومتوں کے جاری کردہ ہونے کی بنا پر رائج اور قابل قبول ہیں ورنہ ان کے پیچھے نہ تو سونا ہے نہ چاندی۔ بلکہ کچھ ایسے ہیں جنھیں پراپرٹی کی ضمانت حاصل ہے اور کچھ کو محض اقتدار کی ضمانت۔ لہٰذا یہ نظریہ خلاف واقعہ ہونے کی بناء پر بہت کمزور ہے۔[2]

4۔ نوٹ کی شرعی حیثیت کے متعلق چوتھی رائے یہ ہے کہ نوٹ دھاتی سکوں (فلوس) کی طرح اصطلاحی زر ہیں۔

مال کی چوتھی قسم وہ ہے جو اصل میں تو مال ہے لیکن اصطلاحی لحاظ سے زر ہے جیسے دھاتی سکے ہیں....جب یہ معلوم ہو گیا تو سنو نوٹ کا تعلق چوتھی قسم سے ہے جو حقیقت میں سامان ہے کیونکہ یہ کاغذ ہے اور اصطلاحی طور پر زر ہے کیونکہ اس سے زر جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔[3]

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک دھاتی سکے زر ہیں اسی لیے وہ ان میں زکوۃ بھی واجب قرار دیتے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک متعاقدین دھاتی سکوں کو متعین کر کے ان کی زری حیثیت ختم کر سکتے ہیں اس صورت میں یہ سامان کے حکم میں ہوتے ہیں اور ان حضرات کے نزدیک کمی بیشی کے ساتھ ان کا تبادلہ بھی صحیح ہوتا ہے۔

بہر حال کرنسی نوٹوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نہ تو دھاتی سکوں کی طرح ان میں سامان کا پہلو غالب ہے یہ تو محض کاغذ کے ٹکڑے ہیں ان کی جو حیثیت بھی ہے وہ ان کی پشت پر حکومتی ضمانت کی وجہ سے ہی ہے اور نہ ہی متعاقدین کو ان کی زری حیثیت کالعدم کرنے کا اختیار ہے کیونکہ قانونی زر ہیں۔

5۔ اس سلسلہ میں پانچویں اور آخری رائے یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کی طرح مستقل زر ہے کیونکہ نوٹوں میں زر کی تمام صفات پائی جاتیں ہیں۔ قیمتوں کا پیمانہ اور قابل ذخیرہ بھی ہیں اور لوگ ان پر اعتماد بھی کرتے ہیں شرعی اعتبار سے یہی زر کی حقیقت ہے جیسا کہ ہم شروع میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر آئے ہیں۔

خلاصہ:

درہم و دینار کی کوئی ذاتی اور شرعی تعریف نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عرف اور اصلاح سے ہے کیونکہ درہم و دینار بذات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ یہ باہمی لین دین کا ذریعہ ہیں اسی لیے یہ قیمت شمار ہوتے ہیں چونکہ باقی اموال سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا ہے اس لیے ان کی یہ حقیقت نہیں ہے۔وہ ذریعہ جس کے مادہ اور صورت سے کوئی

---

1 الربا والمعاملات المصرفية في نظر الشريعة الاسلامية ص 321

2 کاغذی کرنسی کی تاریخ ۔ارتقاء ۔شرعی حیثیت ص:60

3 كفل الفقية الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم ص 33

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No3, 2024

غرض وابستہ نہ ہو وہ جیسا بھی اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ چونکہ دلائل کے لحاظ سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اور اس پر کئے گئے اعتراضات بھی زیادہ وزنی نہیں اس لیے دور حاضر کے علماء کی اکثریت، بیشتر مفتیان کرام کے فتاوی اور اہم فقہی اداروں کی قرار دادیں اسی کے حق میں ہیں۔